

افکار

[مقامی رسالہ "بینات" میں ابو اسامہ حسن العجی کے فرضی نام سے "فضل الرحمانی تحقیق ربوہ کی حقیقت" کے زیر عنوان ایک تحریر مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اپنے طرز نگارش اور معیار تحقیق کی بنا پر یہ تحریر بزم "فکر و نظر" میں جگہ پانے کی مستحق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ ہمارے علما کے ایک مخصوص گروہ کی ترجمانی کی تدعی ہے۔ اس لئے ہم اپنے قارئین کرام سے معذرت چاہتے ہوئے اسے شریک اشاعت کر رہے ہیں۔

اس کی پہلی قسط پچھلے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔
موازنہ کی سہولت کے لئے ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کے مقالے کا متعلقہ حصہ ساتھ کے کالم میں درج کیا جا رہا ہے۔]

آگے چل کر آپ نے اپنا زور جہاد حضرت عمرؓ کے

(۲)

قول "قرآن کی سب سے آخری آیت ربا والی آیت ہے"

ربوہ اور حدیث

کے لفظ آخری برصوت کیا ہے اور اس جہاد کی زوہیں

خبر اب کی طرح ربوہ ازادہ جاہلیت کے

© Dr. Muhammad Hamidullah Library, IFU, Islamabad.

عروں کی گٹھی میں بڑھتا اور اس طرح کا کاہلہ ہوا۔

انہوں نے ”والتقوا لرحماترجعون“ والی آیت کو آخری آیت قرار دیا ہے۔ لیکن اس لاگ پلیٹ میں بھی وہی عیار ایک رہی ہے۔ یعنی پہلے تو حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال درج کئے اور پھر بجائے اس کے کہ کسی شخصوں دلیل اور منطقی استدلال سے اپنے دعوے کو ثابت کرتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت کو غلط معنی پہنکار ان دونوں روایتوں سے ٹکرا دیا چنانچہ اس شعبہ نگاری سے جب روایتوں میں معاوضے کی صورت میں بھی آپ نے کامیاب قرار دیا، جہاں جہاں مانی نااہلیں کرنے کا محل نظر آیا وہیں زہاج دوست ”کو سنگ دوست“ پر دے مارا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ”آخر میں جو نازل ہوا وہ سود کی آیت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائے گئے اور آپ نے ہمارے لئے اس کی وصفا نہیں کی۔ پس تم برباد بھی چھوڑو اور یہ بھی“ (یعنی جس پر سود کا گمان ہو)۔

یہ روایت کافی مشہور ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اس روایت پر سر تسلیم خم کر لیں تو پھر سود کا حلال کرنا تو درکنار اس کے شبہ کو بھی معتبر قرار دینا پڑے گا۔ (حالانکہ فقہانے شبہ کے شبہ کو بھی ہود کے معاملہ میں معتبر قرار دیا ہے) چنانچہ سب سے پہلے نوآب نے روایت کا قطع مع کرنے کا اٹھا دیا اور اس

کرنے والوں کے لئے اتنا زیادہ اور اس قدر جلد ملنے والا نفع تھا کہ اس کی حرمت کا حکم بھی شراب کی تحریم کی طرح بند ریج نازل ہوا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے اس کی مذمت نبوت کے ابتدائی سنیں میں ہجرت سے کافی قبل سورہ روم کی آیت میں نازل ہو چکی تھی جلیکمانہ نرمی کے ساتھ مذمت والی آیت کے بعد اس سلسلے کی دوسری اور تیسری تنزیل یقیناً مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے ابتدائی سالوں میں ہوئی ہوگی۔ لیکن روایات اس کے برخلاف ہیں۔ اور یہیں سے غلط فہمیوں کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس بارے میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اور درج ذیل ہے:-

ان آخر ما نزل من القرآن آية الربا وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا فادعوا للربا والربية -

یعنی ”قرآن کی سب سے آخری تنزیل ربائی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائے گئے اور وہ اس کی تفسیر نہ بیان کر سکے۔ اس لئے برباد اور یہ (یعنی مشکوک معاملے) دونوں کو چھوڑ دو“ یہ روایت سند احمد بن حنبل، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، بہقی، دلائل النبوة اور اسی طرح کی

طبقہ متاخرین کے دوسرے محدثوں کی تالیفات میں ملتی ہے (کنز العمال، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۱۲ھ، ج ۲، ص ۲۳۱ نمبر ۴۹۵۲) اسی مضمون کی لیکن محدود تر معنوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت صحیح بخاری میں ہے۔ امام بخاریؒ نے سورۃ البقرہ کی آخری آیات ربوہ کا باب باندھ کر روایت کی ہے:- حدثنا قبصة ابن عقبہ حدثنا سفیان بن عاصم عن الشعبي عن ابن عباس رضي الله عنها قال آخر آية نزلت على النبي صلى الله عليه وسلم آية الرابا (صحیح البخاری - کتاب التفسیر سورۃ البقرہ، باب و اتقوا يومًا تنجون فيه الى الله - ايضاً کتاب البيوع، باب هوكل الربا جہاں یہ روایت موقوفاً درج ہے لیکن آیات ربوہ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوہ - سے لیکر وہم لا یظلمون تک نقل کر کے یہ اثر بیان کیا گیا ہے) یعنی "آخری آیت (بصیغۃ واحد) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری وہ ربوہ کی آیت (ایضاً بصیغۃ واحد) تھی۔" اولاً ایک نہ دوپوری سات آیتوں کے لئے صیغۃ واحد کا مکرر استعمال حیرت کی بات ہے۔ ثانیاً کتاب التفسیر میں اسی مقام پر جہاں یہ روایت درج ہے وہیں حضرت عائشہ رضی سے چار طریقوں سے یہ مروی ہے کہ:-

کے لئے ضروری تھا کہ ان الفاظ میں سے ہی ایسا لکھ لے اڑا جائے جس سے اس روایت کے نتائج سے بیچھا چھڑایا جاسکے، چنانچہ پہلے آپ نے اس پر گریہ و زاری کی کہ یہی ظالم قودہ روایت ہے جو ساری غلط فہمیوں کی جڑ ہے، اور اس غلط فہمی کا ثبوت یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لما نزلت الايات من آخر جب سورہ بقرہ کی آخری آیات سورہ البقرہ فی الربا نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو علیہ وسلم علی الناس پڑھ کر سنا میں اور پھر قرآن کی شہ حرم التجارۃ فی الخمر خرید و فروخت (بھی) حرام قرار دینے کی حضرات عمر رضی، ابن عباس رضی اور عائشہ رضی و انبیا کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو جو معارضہ شدید نظر آ رہا ہے اسے ہم ان کی غلط فہمی یا کم عقلی پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ عبارت کے مفہوم کو مسخ کرنے جلوس کو توڑنے مردوڑنے اور عبارتوں میں انتہائی کمیاست کے ساتھ کتب نبوت کو نہ کرنے کے لئے بڑی ذہانت و درکار رہوتی ہے۔ جس کا بین ثبوت آپ اپنی کتاب "اسلام میں نبوت" میں بھی پیش کر چکے ہیں اور اس مقالہ میں بھی یہ سب کچھ محض ناواقف اور سیدھے سادے لوگوں کو گمراہ کرنے یا پھر حلت سود کے خواہشمندوں کو خوش کرنے کی ایک عیارانہ تکنیک ہے۔

اب رہا یہ کہ آخر بالکل آخری کو یہی آیت قرار دینی

لما نزلت الآيات من آخر سورة البقرة في الربا
قرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس
ثم حرم التجارة في الخمر

یعنی ”جب سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں (بصیغہ جمع)
ربا کے بارے میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ آیتیں سنا کر شراب کی خرید
فروخت کو (بھی) حرام قرار دیا۔“ اس روایت کی
دوسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف ان آیات
کے آخری تشریل ہونے سے سکوت کیا ہے بلکہ اس کا
تعلق شراب کی خرید و فروخت کی تحریم سے جوڑ کر

۲۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی اصل عبارت مع ترجمہ درج ذیل ہے :-

تبنييه - المراد بالآخرية في الربا ما اخبرنا نزل
الآيات المتعلقة من سورة البقرة واما حكم
تحريم الربا فنزوله سابق لذلك بمائة طويلة
على ما يدل عليه قوله تعالى في آل عمران في أثناء
قصة احد يا ايها الذين آمنوا لا تأكلوا الربا
اضعافا مضاعفة الآية

(فتح الباری، قاہرہ ۱۳۵۵ھ ج ۸ ص ۱۴۱)

اضعافا مضاعفة ” الى آخر الآية

صاف واضح ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا قول ڈاکٹر صاحب کے موقف کی تائید کر رہا ہے اگر باری حرمت کا حکم (حکم تحریم الربا)
غزوہ اُحد کے سلسلہ میں نازل ہو چکا تھا جیسا کہ محدث ابن حجر رحمہ اللہ فرما رہے ہیں اور جس کی تفصیل ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں موجود ہے
تو اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ ”قرآن کی سب سے آخری تشریل ربائی آیت ہے“ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُٹھنے کے اوردہ
اسکی تفسیر نہ بیان کر سکے، اسلئے بڑا اور بڑے دونوں کو چھوڑ دو، ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ غزوہ اُحد جیسا کہ سب جانتے ہیں سب سے کادو تو جس کے بعد
ہوا کہ ۳ سال اس جہان فانی میں قتل ہوا ہے۔ ترجمہ میں ترجمہ تھمت کرنا اور ایسی سائنس میں علم، دانت اور ذہنی طاقت

تو اس معاملہ میں مفسرین محدثین اور شارحین نے بیسویں
صدی کے کسی ”عقل کل“ کے لئے مسئلہ کو تشبیہ نہیں چھوڑا
چنانچہ ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں تحریر فرماتے
ہیں :- (بلسلسلہ تفسیر والقوالوھا۔ الآية)

”اس آخری آیت کی توجیہ کے سلسلہ میں دو اقوال
مردی ہیں اور ان کو اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ
یہ آیت ربا کے سلسلہ میں نازل شدہ آیات کی آخری کڑی
ہے۔۔۔ اور اس کے آخری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورہ
بقرہ کی یہ آیات سورہ آل عمران کی آیات (اضعافا
مضاعفا) کے عرصے بعد نازل ہوئیں“ لے

اسے سسہ کے لگ بھگ نازل ہونے کے لئے
قیاس کی راہ کھول دی ہے۔ کیونکہ عام روایات
روسے اسی سال شراب کی حرمت کا حکم ہوا تھا۔ بات یہیں
ختم نہیں ہوتی بلکہ اسی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں سورۃ
براقۃ التوبہ کے ذیل میں حضرت برادر رضی عنہ سے مروی ہے کہ:
آخریۃ نزول: یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ
وآخر سورۃ نزول برأتی۔ (ایضاً صحیح مسلم، کتاب الفرائض)
باب آخریۃ نزول، الخ۔ یعنی ”آخری آیت جو نازل ہوئی
وہ یہ تھی: یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ اور
آخری سورۃ برأتی۔ صحیح بخاری سے مراد اگر دیکھا جائے
تو اس باب میں احادیث کے معارضے کا اور زیادہ فراخ دروازہ
کھل جاتا، جس کی تفصیل امام سیوطی رحمہ اللہ نے علوم قرآن کی

سہ شکر ہے کہ اب اتنا تو آپ بھی مان رہے ہیں کہ ”ممکن ہے یہ مفروضہ قرین و اقرب بھی ہو کہ یہ آیت سب سے آخری آیت
نہیں ہے“۔ اب اس سے یہ واضح اور لازمی نتیجہ نکالنے ہوئے کیوں بچکا پچاتے ہیں کہ ممکن ہے یہ مفروضہ بھی قرین و اقرب ہو کہ
حضرت عمر رضی عنہ کی طرف یہ قول غلط منسوب کیا گیا کہ یہ آیت سب سے آخری آیت ہے۔“

ہاں یہ کہ ”پھر آخر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ ضرور سسہ کی آیت ہے“ اس کی ایک دلیل تو وہ تھی جو آپ نے
انگلے ہی جلی میں نقل کی ہے اور اسے اپنے مخصوص انداز میں بلا دلیل و حجت ”کج بحثی کی دلیل“ قرار دیا ہے۔ آپ کو بھی اس
انکار نہیں کہ حرمت خمر کا حکم سسہ میں نازل ہوا تھا۔ اب اس کی تجارت کی ممانعت کے حکم کے ساتھ اس آیت کے
نزل کے واقعہ کا منسلک ہونا، بدیہی طور پر اس آیت کے ”سسہ ہجری کے لگ بھگ نازل ہونے کے لئے قیاس کی راہ
کھول رہا ہے“ اس میں کج بحثی کیا ہوئی؟۔ اس کی دوسری دلیل آگے جا کر بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو شفق مبرم ص ۶۹
کے دس حدیث کا صحیح ترجمہ کرنے کے بعد (جیسا کہ میں درج کر رہی تھی) صاحب پچھٹائے کیونکہ یہ انکی ”علمی دیانت اور ذہنی متانت کے
مقتضیات کے برخلاف تھک چانچا اسی حدیث کے ترجمہ میں تحریف تصرف کر کے شکل وہ بنادی جو میں درج کر رہی تھی۔ یہی یقین ہے کہ ان کے غلط محض
عادت کی بنا پر مبرور ہوئی ہے ورنہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عدا تصرف کر کے من کذب علی متعمداً فلیتبوا
مقلدہ من الناس کی وعید کا سزاوار ہونا وہ یقیناً ناپسند فرمائیں گے۔

ایز نماز کتاب لائقان کی نوع ثامن معرفۃ آخر منازل
(اتقان) محو بالاج ۱ ص ۳۲ تا ۳۵ میں بیان کی ہے۔

روایات کے اس شدید معارضے کے علاوہ

اور بھی کئی وجہیں ایسی ہیں جن سے حضرت عمرؓ

کی طرت منسوب اثر کو رد کرنا ضروری ہے۔ (۱)

جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کیا ہے بلوہ کی تحریم کا تاریخی

سلسلہ مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں شروع ہو گیا

تھا۔ اس وقت سے لیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات سے چند دن قبل تک صحابہ رض کا بلوہا کے

کاروبار میں ایسا مشغول رہا کہ خدا کو اپنے اور

رسول کے خلاف جنگ کی شدید دھمکی دینی پڑے

یہ صحابہ کرام رض کی پاک سیرتوں پر بہت اطمینان عظیم ہے۔

اغلب ہے کہ اسی خطرے کے پیش نظر طبری، بیضاوی

سیوطی، اور دوسری تمام متداول تفاسیر میں مکی

سورہ روم کی آیت میں لفظ ”بلوہا“ کے معنی ”ہریہ“

بتائے گئے ہیں۔ انہیں روایات میں حلال بلوہا

کی ایک قسم ایجاد کی گئی ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے

کہ یہ آیت اس حلال بلوہا کے بارے میں ہے (تفسیر

طبری، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۰ھ، ج ۲، ص ۲۹)

۳۱۔ الدار المنثور للسیوطی، مطبوعہ طہران، ۱۳۷۷ھ

ج ۵، ص ۱۵۶۔ تفسیر البیضاوی، مطبوعہ استانبول

۱۳۱۶ھ، ج ۲، ص ۲۷۷) ان روایات کی تائید صحیح

بخاری کی کتاب التفسیر میں امام بخاری رح کی اپنی اس

حقیقات اور واضح ہے ڈاکٹر صاحب نے اتنی ہی پرکندہ

ذہنی کا ثبوت دیا ہے۔ سب سے پہلے تو آپ نے اپنے

استادوں کی سی استادی کا مظاہرہ کیا ہے آپ فرماتے

ہیں کہ ”اس روایت کی رو سے نہ صرف حضرت عائشہ رض

نے اس کے آخری تنزیل ہونے سے سکوت کیا ہے“

قرآن جائیے! اس ”سکوت کیا ہے“ کے فقرے کا

جواب نہیں۔ گویا کہ حضرت عائشہ رض بڑے ہی باسببی انداز

میں اپنی زبان خاموشی سے وہ بات زمانہ تنزیل کے

متعلق کہہ گزریں جو حضرات ابن عباس رض وغیرہ کے

مرتبہ علم و آگہی سے بہت بلند تھی اور اس طرح آپ نے

محض ایک چپ کے ذریعہ لاکھ غلط فہمیوں کا پردہ چاک

کر کے ڈاکٹر صاحب کو وہ نکتہ فراہم کر دیا جس نے

واقعات کو مسخ ہونے سے بچا لیا اور تحقیق کی تاریخ

کو بالآخر ۳۸۳ھ میں جا کر صحیح رخ پر ڈال دیا۔ نفوذ

بالشرف نفوذ بالشر۔

سکوت کرنا حدیث پر گفتگو کرتے وقت ایک ایسے

دانستہ عمل کی طرت اشارہ کرتا ہے جو کسی مثبت

یا منفی رجحان کی طرت دلالت کرتا ہو۔ اور اس مقام پر

ہمارے ڈاکٹر صاحب نے جو سکوت بھانپا ہے یہ ان کی

ذہنی اختراع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ امام بخاری اس

روایت کو ایک جگہ نہیں بلکہ تین ابواب میں لائے

ہیں لیکن متن اور مفہوم کے پیش نظر اس کو بلوہا کے باب

میں سرے سے شامل ہی نہیں کیا بلکہ کتاب الصلوٰۃ

دینکم واقعت علیکم نعمتی۔ (المائدہ ۵: ۳)
 یعنی ”آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل
 کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں“ حضرت عمرؓ
 ہی سے مروی ہے کہ یہ آیت حجة الوداع کے
 موقع پر عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی۔ (الاتقان، محولہ
 بالا، ج ۱، ص ۲۳ و صحیح مسلم، کتاب التفسیر)
 اور اگر آیت ربوا آخری تنزیل ہے تو بہر حال یہ آیت
 ان سے پہلے ہی نازل ہوئی ہوگی۔ اسی اشکال کے
 پیش نظر حضرت سدی رح اور ان کے علاوہ مفسرین
 کی ایک جماعت نے تصریح کر دی ہے کہ اس آیت
 الیوم اکملت لکم کے نزول کے بعد حلت و حرمت
 کی کوئی آیت نہیں اتری۔ ”لم یتنزل بعدھا حلال
 و احرام“۔ (الاتقان، محولہ بالا، ج ۱، ص
 ۳۵) امام طبری رح نے اس کی تائید کی یہ کوشش کی
 ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں تکمیل دین کے معنی
 یہ ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں مسلمانوں
 کے متمکن ہونے اور وہاں سے مشرکوں کے نکالے
 جانے کی تکمیل ہو گئی تھی! متن درج ذیل ہے:-

خوئے بدر ابہانہ بسیار
 اس سلسلے میں بخاری کے ایک اور شارح الکرمانی
 قاضی عیاض کی مندرجہ ذیل رائے پیش کرتے ہیں:-
 ثم حرم بیع الخمر۔ حضور نے خمر کی بیع حرام فرمادی
 یعنی اس کی بیع و شرا اور اس کا اصل سبب اس کا
 نجس ہونا ہے۔ قاضی عیاض کے بقول تحریم خمر کا حکم
 سورہ مائدہ میں نازل ہوا ہے اور آیت ربوا سے
 ایک طویل مدت قبل نازل ہو چکا تھا۔ لہذا احتمال

(الاولی الاقوال فی ذلک بالصواب ان یتقال:
 ان اللہ عزوجل انخبر نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم
 والمومنین بہ انه اکمل لہم دینہم باقرارہم
 بالیلد الحرام واجلاء المشرکین عنہ، الخ۔
 تفسیر الطبری، مطبوعہ دارالمعارف مصر،

ج ۹ ص ۵۲) اس تفسیر سے ختم ثبوت پر روشنی
دلیل والی اس آیت کی جو صورت بنتی ہے وہ ہمارے
نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں اس سے یہ ضرور ظاہر
ہوتا ہے کہ مشہور ہو جانے والی، لیکن درحقیقت غلط،
حدیث کی تقلید کی زردین کے کیسے کیسے بنیادی
اصولوں پر پڑتی ہے۔

(۳) اثر زیر نظر پر ایک اور شدید اعتراض یہ
وارد ہوتا ہے کہ سورۃ النساء کی آیات ۱۶۰ و ۱۶۱ میں

لے کر مانی کی اصل عبارت مع ترجمہ درج ذیل ہے :-

قوله تجارة الخمر ای بیعھا و شراؤها و العلة
فيه عند الشافعي نجاستھا قال القاضي
عياض تحريم الخمر في سورة المائدة وھی
نزلت قبل آية الریاء بملدة طويلة فيحتمل ان
يكون هذا النهی متاخرا عن تحريمھا و يحتمل
أنه أخبر بتحريم التجارة حين حرمت الخمر
ثم أخبر به مرة اخرى بعد نزول آية الریاء
وؤكد و مبالغة في اشاعته و لعله
حضر المجلس من لم یکن بلغه تحريم
التجارة فيھا قبل ذلك

البخاری بشرح الکرمانی، مصر ۱۳۵۲ھ ج ۲ ص ۱۱۹

یہ ہے کہ یہ بیع و شرا کی حمانعت اس کی (شراب کی)
حمانعت کے بعد کی ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ حضور نے
حرمت خمر کے وقت اس کی تجارت کے لئے بھی بیان
فرمادیا ہو اور پھر ربائی آیت کے نزول کے وقت اس
کی اشاعت کے لئے مکرر تاکید و مبالغہ کے لئے بیان فرمایا
ہو کیونکہ شاید اس بیان کے وقت (مجلس میں) ایسے
لوگ بھی موجود ہوں گے جن کو شراب کی تجارت کی بھی
حرمت کا علم اس سے پہلے ہوا نہ ہوگا۔ (ج ۲ ص ۱۲۰)

ربان کا (یعنی بخاری ج ۱) قول تجارة الخمر، تو اس کے معنی میں
شراب کی خرید و فروخت اور نام شافعی ج ۲ کے نزدیک اس کے لازم ہونے کی
وجہ اس کا جنس ہونا ہو۔ قاضی عیاضؒ لکھا ہے کہ خمر کی حرمت سورہ مائدہ
میں آئی ہے اور یہ ربائی آیت سے طویل مدت قبل نازل ہوئی تھی۔ تو
احتمال یہ ہو کہ یہ حمانعت (شراب کی خرید و فروخت کی) اسکی حرمت کے
بعد ہوئی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ خمر کی تجارت کی حرمت کی خبر رسول
اکرمؐ نے اسی وقت دی ہو جب خمر کی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا
لیکن ربائی آیت کے نازل ہونے کے بعد اپنے دوبارہ اس کو دہرایا تاکہ
اسکی تاکید ہو جائے اور اسکی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور
یہی احتمال ہے کہ شاید اس مجلس میں ایسے لوگ موجود ہوں جن تک
اس سے قبل خمر کی تجارت کا حکم نہ پہنچا ہو۔

عجی صاحب کو ترجمہ میں تصرف و تحریف کی جو عبارت حاصل ہے، اس کی مثالیں پچھلی قسط میں اور موجودہ
اشاعت میں قارئین کرام کی نظر سے گزر چکی ہوں گی۔ لیکن ہر قاعدہ کلیہ کے لئے استثناء ہے۔ اور یہاں جو ترجمہ انہوں
نے کیا ہے اسے ان ہی مستثنیات میں شمار کرنا چاہئے۔ لیکن انسان کی عادت مشکل ہی سے (باقی اگلے صفحہ پر)

ارشاد ہے کہ :

نَبِّئْهُمْ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ مُحَلَّتْ لِحْمٍ
وَبَصَدْلَهُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا وَأَخَذَهُمُ الرُّبُوبُ
وَقَدْ فَخَّوْا عَنْهُ وَأَكْلَهُمْ أَهْوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔

یعنی ”ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب بہت سی
پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں
اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر خدا کے راستے سے
لوگوں کو روکتے تھے، اور اس سبب سے بھی کہ باوجود
منع کئے جانے کے ربوا لیتے تھے، اور اس سبب
سے بھی کہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے تھے اور ان میں
جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار

ڈاکٹر صاحب کو جو بھی ایک قسم کا معارضہ نظر آیا ہے اس کی
حقیقت صرف اتنی ہے کہ بعض راویوں کے نزدیک آیات
ربوا کا زمانہ نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال
سے چند ساعت پہلے کا ہے۔ بعض کے نزدیک نو دن
پہلے کا بعض کے نزدیک ۲۱ یا حد سے حد ۸۱ دن پہلے
کا۔ اس طرح یہ اختلاف روایات صرف اتنا رہ جاتا ہے
کہ یہ تنزیل وفات سے چند ساعت پہلے کی ہے یا ۸۱
دن پہلے کی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی زور آزمائی سے
اس ۸۱ دن کو کھینچ کر چھ سال پیچھے کر دیا۔ انا للہ
والما الیہ راجعون۔

آپ نے الاتقان کا ذکر فرما کر یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ اس کی
رو سے اس معارضے کا اور بھی فراخ دروازہ کھل جاتا

چھوٹی ہے، چنانچہ مندرجہ بالا عبارت کے شروع کے جملوں میں عجمی صاحب نصرت کئے بغیر نہ رہے، حالانکہ اس سے
انہیں ڈاکٹر صاحب کو گالیاں دینے میں مطلق مدد نہیں ملتی تھی۔

یہی قاضی خیاں صاحب الشفا کے احتمالات کی فہرست، تو اس کا کوئی کیا کرے جبکہ قرآن حکیم کا ارشاد
ہے کہ إِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (رواس آیت ۶۳) (مثبت گمان امر حق سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کرتا)
قاضی صاحب نے ایک نہ دو بلکہ تین احتمالات کا ذکر کر کے اپنی تاویلات کو محض امر ظنی ہونے کی تاکید بلکہ تاکید مزید کر دی
ہے۔ اس کے مقابلے میں تاریخی حقائق ہیں جن کی تفصیل مندرجہ بالا مقالہ میں درج ہے۔

کچھ سال نہیں بلکہ دس سال۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق جسے خود عجمی صاحب نے بالتحریف والتضویف
نقل کیا ہے، ربوا کی حرمت مسلمہ ہجری میں ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ اثر اور ان روایات کی
رو سے جن کے معارضے کا ابھی آپ نے خود اعتراف فرمایا ہے، آیات ربوا کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال
سے چند ساعت پہلے سے لیکر ۸۱ دن پہلے تک ہوا، اس لئے ربوا کی حرمت کے احکام واضح نہ ہو سکے۔

ہے: اللہ اکبر! ہو سکتا ہے ان روایات سے یہ آیات قبل نبوت کے زمانہ کی تشریح معلوم ہوتی ہوں!!
 قیمت ہے کہ انھوں نے صرف اشارے ہی اشارے میں تنبیہ کر دی ورنہ اگر خدا نخواستہ وہ اسی طرح دو چار عبارتوں کے ہاتھ پیر توڑ کر یہاں پیش فرما دیتے تو ہمارا بڑی کرکری ہوتی۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اتنی بڑی مہربانی ہے کہ ہم تو ہم شاید اللہ تعالیٰ بھی نہ بھولے گا یہ پھر فرماتے ہیں:-

”روایات کے اس شدید معارضے کے علاوہ اور بھی کئی وجہیں ایسی ہیں جن سے حضرت عمر کی طرت منسوب اثر کو رد کرنا ضروری ہے۔ (۱) جیسا کہ اوپر ہم نے واضح کیا ہے۔ رہا کی تحریم کا تاریخی سلسلہ مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند دن قبل تک صحابہ کا ربوہ کے کاروبار میں ایسا مشغول رہنا کہ خدا کو اپنے اور رسول کے خلاف جنگ کی دھمکی دینا پڑے، یہ صحابہ کرام کی پاک سیرتوں پر بہتان عظیم ہے“ (ص ۷۷)
 اللہ اللہ عشق صحابہ کا یہ عالم۔ کہاں ہیں وہ ظالم جو صحابہ

کر رکھا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہودیوں کو یہ الزام دینا اسی وقت ممکن اور درست ہو سکتا تھا جب کہ خود مسلم معاشرے سے ربوہ کا کاروبار بالکل ختم ہو چکا ہوتا۔ ورنہ یہودی قیٹا مسلمانوں کو الزام دیتے کہ تم تو خود وہی کرتے ہو جس کا ہمیں طعنہ دیتے ہو۔ ساتھ ہی یہ تاریخی واقعہ مسلم ہے کہ بنو قریظہ جو مدینہ کے قبائل یہودیوں سے آخری بچا ہوا قبیلہ تھا اس کا مدینہ سے اخراج ۵ھ میں غزوہ خندق کے فوراً بعد عمل میں آچکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد قرآن حکیم کا یہود سے معارضہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہود پر یہ الزام ۵ھ کے اختتام سے پہلے ہی ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے لئے ربوہ کی ممانعت کا حکم ۵ھ سے قبل ہی آچکا ہوگا (۲) جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں، سورہ آل عمران ”لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بَعْضٌ مِّنْكُمْ يَرْتَدِّيهِ إِلَى بَعْضٍ“ سلسلہ کی آیات کی بنیادی کڑی ہے، سورہ روم کی آیات اس کی تہنید تھیں اور سورہ بقرہ کی آیات اس کا قتمہ اور تکملہ۔ اس آیت کے نزول کے

۵۷ جو شخص احادیث و تفاسیر کے ترجموں میں تحریف پر دلیر ہو اس سے یہ ہرگز بعید نہیں کہ ذات باری تعالیٰ سے استخفاف و استہزاء میں پڑے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ حضرت مولانا نور شاہ رحم کی روایات کی علمبرداروں کے مدعی کارکنان مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی کو کیا ہوا کہ انہوں نے اس اہتمام سے ایسی تحریر اپنے رسالے میں شائع کی ہے کہ تحریک اور تعصب انسان بڑی بھیانک غلطیاں مرتکب کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور و انفسنا

رسول کے ایسے سچے جاننا زپر حدیث کے انکار کا الزام لگاتے ہیں، ناموس رسول کا دشمن قرار دیتے ہیں ذرا ادھر آئیں اور دیکھیں ارادت و عقیدت کے اس بیکر کو۔ اللھم طہر قلوبنا من النفاق واعمالنا من الریا۔

ہم اس عاشق صحابہ سے پوچھیں گے کہ اگر اس آیت کا نزول ۴ ہجری میں ہوتا تو مکی زندگی کے ابتدائی دور سے ۴ ہجری تک صحابہ کا ”ربو“ کے کاروبار میں ایسا مشغول رہنا کہ خدا کو اپنے اور رسول کے خلاف شہ میں جنگ کی دھمکی دیتی پڑے، کیا یہ صحابہ کرام کی پاک سیرتوں پر بہتان عظیم نہیں ہے؟ آخر اس میں بھی ۱۰، ۱۱ سال کا طویل وقفہ پایا جاتا ہے۔

جب خدا کا عود اور رسول کا احترام دل سے نکل جاتا ہے تو پھر انسان کی سلامت فکر ختم ہو جاتی ہے۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا۔ انھیں کہ اس عقل کل نے یہ نہ سوچا کہ صحابہ رض کے ساتھ جس شام کی عقیدت کا ڈھونگ رچایا ہے۔ اس سے صحابہ کرام

بارے میں قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ غزوہ احد کے فوراً بعد نازل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد کی آیات میں مسلسل غزوہ احد کی شکست، اس کے نتائج، اس کے اسباب اور دوبارہ ایسے افسوسناک واقعہ کے نہ ہونے کی تائید کا ذکر ہے۔ غزوہ احد کی شکست کا بنیادی سبب کچھ مسلمانوں کا مال کی محبت میں لوٹ مار پر متوجہ ہو جانا تھا۔ غالباً اسی لئے ربو کی حرمت کا اعلان کیا گیا تاکہ مال کی محبت کی بنیاد یعنی ربو سی نظام معیشت کی بیخ کنی ہو جائے۔ ہم نے اوپر جن روایات اور تاریخی شہادتوں کا ذکر کیا ہے، ان سے ہمارے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے۔

اوپر کی تحقیقات سے یہ نتیجہ نکلا کہ ربو کی مذمت کی پہلی آیت مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں، رومیوں کی شکست کے واقعہ کے بعد، اس کی حرمت کا اعلان ہجرت کے تیسرے سال، غزوہ احد کے بعد اور آخری تہذیبی آیتیں بنو قریظہ اور

۹ مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں ”ربو کی تحریم کا“ ”تدریجی سلسلہ“ شروع ہوا تھا جیسا کہ ڈاکٹر صاحب ربو اور قرآن کے عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں۔ مکی زندگی کی سورت الرّم میں اس کی مذمت نازل ہوئی تھی حرمت نہیں۔ حرمت کا حکم ۳ ہجری میں غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوا اس کے بعد صحابہ کی طرف ربو کے کاروبار کو منسوب کرنا یقیناً ان کی پاک سیرتوں پر بہتان ہے۔ احادیث کے ذخیرے میں اس خلاف جوباتیں ملتی ہیں ان کا رد کرنا بدجہ ادلی بہتر ہے یہ نسبت اس کے صحابہ کرام کی امانت کا ارتکاب کیا جائے۔ صلی اللہ عنہم ورضوانہ

کی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اگر اس دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر اہتمام وارد ہوتا ہے۔

آخر اسے کون نہیں جانتا کہ جہات امور کے بارے میں تمام احکام بڑی ہی حکیمانہ تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہیں۔ آج مجرد نیکو کاری اور نیک کرداری پر زور دیا گیا چند سال بعد عصمت نگاہ پر پھر فواحش کی برائی بیان کی گئی اور اس کے چند سال بعد زنا سے روکا گیا حتیٰ کہ ایک دن اسے تعزیری جرم قرار دید گیا۔ پہلے جان اور مال کی آبرو پر زور دیا، اہل حلال کی جہت افزائی کی، کسب حرام سے نفرت پیدا کی گئی، دوسروں کا حق مارنے کی مذمت کی گئی، آخر میں چوری کو تعزیری جرم قرار دیا عرصے پہلے شراب کے نقصان پر زور دیا گیا پھر چند سال بعد نماز کے وقت نشہ کرنے سے روکا گیا پھر آخر میں تحریم خمر کا حکم نازل ہوا لیکن ان تمام تدریجی مراحل کے دوران ایک زمانے کا زمانہ ملتا ہے۔ ایسا کہیں نظر نہیں آتا کہ ابھی ایک حکم سے مسلمان واقف نہیں ہوئے کہ سال بھر کے اندر دوسرا اور پھر تیسرا اور چوتھا دوسرے مرحلے کی آیت لانا کلو الریواضعاف مضا عفا کا زمانہ تنزیل جو بھی ہو بہر حال کوئی صاحب نظر اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ سود کو حرام قرار دینے کے ایک ہی سال کے اندر اندر اچانک اتنا شدید حکم نازل ہو جائے جس کی خلافت و رزی الشہاد اس کے

دیگر قبائل یہود کے جلا وطن کئے جانے سے قبل، یعنی ۵ ہجری سے پہلے، نازل ہوئیں۔

ہمارے زمانہ حال کے اہل قلم میں سے مودودی صاحب اس معاملے میں ہمارے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے رسالہ ”سود“ طبع سوم (۱۹۵۴ء) کے حصہ اول میں ”حکمت قرآنی اور اصلاح تمدن“ (ص ۱۶۲ تا ۱۹۴) کے عنوان کے تحت تفصیلاً یہ بتاتے ہیں کہ ربوہ کی مذمت مکہ معظمہ کی تنزیل میں آچکی تھی اور احد سے واپس مدینہ پہنچتے ہی ”سورہ آل عمران کی حرمت ربوہ کی آیات نازل ہوئیں (ص ۱۶۵ تا ۱۶۶) لیکن حیرت ہے کہ شد و مد سے حکمت قرآنی کی یہ تشریح کرنے کے ساتھ ہی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر کو بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ (طبع سوم ۱۹۵۴ء ص ۵۱ اور طبع جدید، جنوری ۱۹۶۱ء ص ۵۰) اور ان دونوں امور میں شدید تضاد کو محسوس نہیں کرتے۔ شاید مودودی صاحب کے منطقی ذہن نے متعدد سال گزر جانے کے بعد (۱) کا مضمون محمول بالا، ابتداء ترجمان مہاجت اگست ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا) اس تضاد کو محسوس کیا اور ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے ہم یہ قیاس کریں گے کہ اسی تضاد کے پیش نظر انہوں نے اپنے ”رسالہ“ کے تازہ ترین ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۶۱ء میں اس پورے مضمون کو خارج کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کو اپنی تائید میں

رسول سے جنگ قرار پائے آخر کون نہیں جانتا کہ اس زمانے میں دائر لیس اور میڈلو نہیں تھا تیر رفتار گاڑیاں بھی نہیں تھیں، آمد و رفت اور رسل و رسائل کا معقول انتظام بھی نہیں تھا، قبیلے کے قبیلے غیر مسلم تھے اور صرف غیر مسلم بلکہ مسلمانوں کے دشمن اور مزاحم بھی تھے اور جگہ جگہ ان دشمنوں کے بیچ میں مسلمان گھرے ہوئے تھے پھر سال کے مختلف مہینوں میں مختلف قبیلے گھراہ

چھوڑ کر میلوں اور تجارتی قافلوں میں رواں دواں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ خود مدینہ کے مسلمان اور جو اصحاب بھی جہیزوں تک حضور کی صحبت سے محروم رہتے تھے۔ ان حالات میں یہ انتہائی ضروری تھا کہ خدا اور رسول سے جنگ کا اعلان کرنے سے پہلے آل عمران کی حرمت کا حکم ایک ایک مسلمان کے پاس پہنچ جانے دیا جائے اور اتنا موقع دیا جائے کہ وہ اپنے لیس دین، اپنی تجارت اور اپنے فرض ہی نہیں بلکہ ان تمام معاملات سے واقف ہو جائیں جو ربائی کر دین آتے ہیں چاہے وہ ربائے جلی ہوں یا ربائے خفی۔ اس قسم کے معاملات شائع نے تحریم سود کے ساتھ ہی نہیں واضح فرمائے بلکہ وقت اور موقع کے لحاظ سے ایک ایک معاملہ کو چن چن کر حرام

رہنے دیا۔ لیکن ہم مودودی صاحب سے یہ توقع لکھتے ہیں شاید حق بجانب ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہوں گے کہ قرآن حکیم کی آیات کی تنزیل کی تاریخی ترتیب اور ان کے شان نزول کا مسئلہ اتنا غیر اہم نہیں کہ اس کے بارے میں سلف کے مفسرین کی رائے کے برخلاف ایک دعویٰ پیش کرنے کے بعد چپ چاپانے اس سے رجوع کر لیا جائے۔

ہم نے حضرت عمر رضی کی طرف منسوب مشہور روایت کی تردید میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری روایتیں ربوہ القرآن کی حقیقت کو پیچھاننے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ اور انہیں کی بنیاد پر ربوہ اس کے سلسلہ کی دوسری اور روایات کی عمارت استوار ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ کسی ابتدائی مرحلے پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ربوہ کے بارے میں قرآن کی تصریحات نامکمل ہیں جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ مندرجہ بالا آثار شاید اسی جذبے کے ابتدائی مظاہر ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان آثار کی طرح ربوہ کے سلسلے کی فقہی حدیثوں میں بھی شدید معارضہ ہے۔ (باقی آئندہ)

قرار دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ معاملات آپ سے وقتاً فوقتاً پوچھے گئے اور کچھ آپ نے خود اپنی طرف سے واضح فرمائے۔ اور اس طرح جب مکمل معاشی نظام کا ایک نقشہ تیار ہو گیا اور ہر پیراس سے واقف ہو گیا اپنے کاروبار سے ہر تم کے سود کو خارج کرنے کے لئے ذہنی اور عملی طور سے اپنے آپ کو تیار کر لیا تو پھر سود کو تعزیری جرم قرار دیا گیا۔ اور تعزیری بھی کیسا کہ قرآن نے خدا رسول سے جنگ کے لئے لاکھارتائی، حضرت عمر رضی

سود خواروں کو جلا وطن کیا، امام مالک رحمہ اللہ نے گردن مارنے کی مہر تجویز کی۔ ایک ایسے عمل کو حرام قرار دینا جو عیب کی گھٹی میں پڑا تھا کیا اتنا غیر منجیدہ کام تھا جس کو اخلاقی جرم سے تعزیری جرم بنانے کے لئے صرف سال چھ ماہ کی لعنت کافی ہو جائے۔ اور خاص طور سے اس وقت جبکہ مسلم سوسائٹی ابھی تشکیل کے ابتدائی مراحل میں ہو۔ ابھی مسلمان سیاسی اور فوجی اعتبار سے کمزور ہوں ابھی بین الاقوامی تعلقات میں استحکام نہ حاصل ہوا ہو ابھی وہی قبیلے جن سے مسلمانوں کا لین دین ہے مسلمان نہ ہوئے ہوں۔ آخر عقل کس طرح باور کر سکتی ہے کہ سود لینا مکہ میں حرام قرار دیتے ہی شہ میں ایک دم درست اندازی حکومت جرم بن جائے۔ اللہ تعالیٰ تو وسیع و عظیم ہے اور شارع علیہ السلام کی حکمت باللہ بھی ہمارے فہم و فکر سے بہت بلند ہے، اس دور کے ٹپ پونجے مصلح بھی اگر کہیں سود اٹھانا چاہیں گے اور وہ بھی اس سوسائٹی سے جس میں آج تک سود کو حرام سمجھا جاتا ہے تو شاید اس اصلاح میں برسہا برس لگائیں گے۔

لیکن واہ رہے ڈاکٹر صاحب! زمانہ تنزیل سے انکار کرنے کے لئے آپ بھی ایسی جذباتی دلیل لائے کہ ایک عقیدہ تمدن قادی پکار اٹھے کہ حاشا وکلا بھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان سے یہ بدگمانی ہاں بھی بات ڈاکٹر صاحب کی ہی سچ معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ”اگر مان لیا جائے کہ یہ آیت آخری دور میں نازل ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سود خوار ہی میں مبتلا تھے اور نعوذ باللہ ایک ایسا جرم کرتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ کھوا نہیں الٹی میٹم دینا پڑا“ استغفر اللہ۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی جرم کو حرام قرار دینے یا تعزیری بنا دینے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ بس صحابہ کرام اس میں مبتلا پائے گئے اس لئے یہ حکم سختی سے وارد ہوا۔ اس طرح تو پھر زانی کو سنگسار کرنے کی مہر کے حکم سے آپ نے نتیجہ نکالیں گے کہ خاکم بدہن آخر کیا اوامر و نواہی، زجر و توبیخ، ترغیب و ترہیب سارے کے سارے صحابہ کرام ہی کے لئے تھے قرآن کے پانچ سو احکام اور احادیث کے سارے خزانے صحابہ کرام ہی کے لئے وارد ہوئے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں ”اثر زیر نظر پر ایک شدید اعتراض“ یہ وارد ہوتا ہے کہ سورہ النساء کی آیات ۱۶۰-۱۶۱ میں ارشاد ہے کہ **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا.....** الخ (یعنی ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ مادی و دنیوی منع کئے جانے کے راستے تھے اور

اس سبب) ظاہر ہے کہ یہودیوں کو یہ الزام دینا اسی وقت ممکن اور درست ہو سکتا تھا جبکہ خود مسلم معاشرے سے ربا کا کاروبار بالکل ختم ہو چکا ہو تا در نہ یہود یقیناً مسلمانوں کو الزام دیتے کہ تم خود ہی کرتے ہو جس کا ہمیں طعنہ دیتے ہو۔ اس لئے یہود پر الزام شہ کے اعتقاد سے پہلے ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ ربوا کی حرمت کا حکم شہ سے پہلے ہی آچکا تھا۔

آخر اس سے کون کا فراخلاف کرتا ہے کہ ربا کی حرمت کا حکم شہ سے پہلے نہیں آیا تھا۔ تمام مفسر اس سے متفق ہیں کہ آیت لَمَّا كَلَمَ الرَّبَّ ابْنَ مَرْيَمَ مُضَاعَفًا مَضَاعَفَةً شہ یا پہلے نازل ہوئی تھی۔ البتہ اس میں اگر شوشہ چھوڑا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے نہ معلوم وہ اسے حرمت سود کی آیت کیوں نہیں سمجھتے۔ ہمیں تو اس ساری بحث کے پیچھے ڈاکٹر صاحب کے دل کا چور چھپا نظر آ رہا ہے یہاں دراصل غیر شعوری طور سے وہ آخری آیات (سورہ بقرہ) کو احکام سود کی اہم ترین کڑی سمجھ چکے ہیں اور اس کے بغیر سود کی حرمت کی تعبیر میں الہام کا احساس ہو چکا ہے لیکن "دروغ کو حافظہ نہ باشد" چند صفحہ پیچھے ہی آپ سورہ بقرہ کی آیات کو تہہ قرار دیکر خارج از بحث کر چکے ہیں۔ اور اصلی زور آل عمران کی آیت پر صرف کرتے رہے ہیں کیا اس کے باوجود ان کے نزدیک شہ تک سود کی حرمت نہیں نازل ہوئی۔

رہا یہ امر کہ صاحب اگر آخری حرمت آخری دور میں نازل ہوئی تو یہودی ایسا اور ایسا کہتے۔ کیا وہ علی روس الا شہادہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ ہر روز نئے نئے آدمی اور قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہوتے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ کسی دور میں بند نہیں ہوا ہے۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض قری

شلہ اگر عجیب صاحب ان "تمام مفسرین" میں سے چند کے نام گوارہ دیتے اور ان کی متعلقہ آیات کی تفسیروں کے ترجمے اپنے مخصوص طرز تصرف کے ساتھ ہی نقل کر دیتے۔ تو ان کی عین عنایت ہوتی کیونکہ اس سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا کہ یہ گمان کہ ربوا کی حرمت کا حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے ذرا قبل نازل ہوا تھا اس لئے قرآن حکیم میں اس بنیادی معاشی و معاشرتی حکم کی تفصیل درج نہ ہو سکی۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان فیض ترجمان سے اس مسئلہ کی وضاحت فرما سکے۔ ان تمام مفسرین کی رائے کے خلاف ہے۔

نہ ڈاکٹر صاحب نے یہ کب اور کہاں کہا کہ "شہ تک ربوا کی حرمت نہیں نازل ہوئی" وہ تو عام قیاس کے برخلاف تاریخی حقائق سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ربوا کی حرمت مبنی زندگی کے اداس ہی میں نازل ہو گئی تھی۔ عجیب صاحب اگر کہنا چاہتے

رشتہ دار (حضرت عباس) تک اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور ہر شخص حضور پر ایمان لاتے ہی پہلے ہی دن مسلم حنیف نہیں بن جاتا تھا۔ اس وقت کے یہودیوں کا اس پر اعتراض نہ کرنے میں ان کی واقعیت پسندی کو دخل ہے۔ ریسرچ کی یہودی ٹیم تک کو نہیں پھر یہودیوں کا اعتراض نہ کرنا کیا اس کا میں ثبوت نہیں ہے کہ انھوں نے مسلم سوسائٹی کو ملی العموم سود سے کنارہ کش اور صدقات پر عامل پایا۔ اور اگر اس کے بعد بھی کہیں سود کے تعامل کی مثالیں نظر آتی ہیں تو ان افراد یا قبیلوں میں جو آخر میں مسلمان ہوئے تھے اور جن تک حرمت کے احکام نہیں پہنچے تھے۔ ہزار ہا چھتیس ہوں اسلاف پر جنہوں نے حدیث نبوی ص کے موتی چھنے میں زندگیاں لٹائیں اور ہمیں الامال کر گئے۔

مندرجہ بالا بحث سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ڈاکٹر صاحب نے سود کے سلسلے میں جو نقطہ نظر اپنا یا ہے وہ کس قدر عامیانا ہے اور کتنی علمی بددیانتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح آیات کے زمانہ تشریل پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچے ہیں:-

”اوپر کی تحقیقات سے یہ نتیجہ نکلا کہ ربوہ کی مذمت کی پہلی آیت مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں ربوہ کی شکست کے واقعہ کے بعد، اس کی خدمت کا اعلان ہجرت کے تیسرے سال غزوہ احد کے بعد اور آخری تہدید آیتیں بنو قریظہ اور دیگر قبائل یہود کے جلا وطن کئے جانے سے قبل یعنی ۶۱۰ء سے پہلے نازل ہوئیں۔“ (ص ۶۵)

آخری اور تہدید آیتوں کا نزول ۶۱۰ء سے پہلے ہونا دراصل وہ بنیادی مفروضہ ہے جس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے استدلال کے پائے چوبیس کو قائم کیا ہے اگر وہ اس دعوے پر اڑے نہ رہیں تو ان کی ساری بقراطی خاک میں مل کر رہ جائے۔ لیکن کیا یہ دعوے قابل اعتناء ہے کیا صدر اول اور ابوالحد کے مفسرین اور علمائے جمہور اس کی تائید کرتے ہیں؟ کیا مجروحہ اہل علم اس سے متفق ہیں؟ یہ سوالات ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے مستند علما کی طرہ ذہن لامحالہ منتقل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس کا پورا احساس ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے مولانا مودودی کی عبارتوں کو پیش کیا ہے چنانچہ اپنے دعوے کے فوراً بعد آپ فرماتے ہیں:-

”ہمارے زمانہ حال کے اہل قلم میں سے مودودی صاحب اس معاملہ میں ہمارے ہم خیال نظر آتے ہیں

وہ اپنے رسالہ سود.....“ ص ۶۵

یہ جملہ ڈھ کر قادی یقیناً اس تاثر میں مبتلا ہو گا کہ مودودی صاحب واقعہ ڈاکٹر صاحب کے اس دعوے کی تائید کر رہے ہیں کہ ربوہ کی آخری آیت ۶۱۰ء سے پہلے نازل ہوئیں تو یقیناً ڈاکٹر صاحب نے بھی درست ہی کہا ہو گا لیکن پہلے موصوف

کا جملہ پورا پڑھ لیجئے، فرماتے ہیں :-

”ہمارے زمانہ حال کے اہل قلم میں سے مودودی صاحب اس سلسلے میں ہمارے ہم خیال نظر آتے ہیں وہ اپنے رسالہ سود، طبع سوم (۱۹۵۴ء کے حصہ اول میں حکمت قرآنی اور اصلاح تمدن“ (ص ۱۶۲ تا ۱۶۹) کے عنوان کے تحت تفصیلاً یہ بتاتے ہیں کہ ربوہ کی مذمت کہ معطلہ کی تنزیل میں اپہلکی تھی اور احد سے واپس مڑنے پہنچے ہی سورہ آل عمران کی حرمت ربوہ کی آیات نازل ہوئیں (ص ۱۶۵ تا ۱۶۶) لیکن حیرت ہے کہ شد و مد سے حکمت قرآنی کی یہ تشریح کرنے کے ساتھ ہی وہ حضرت عمر رضی کی طرف منسوب اثر کو بھی اپنی تائید میں کرتے ہیں (طبع سوم ۱۹۵۴ء ص ۵۱) اور جدید جزوی سلسلہ (ص ۱۶۰) اور ان دونوں امور میں شدید تضاد کو محسوس نہیں کرتے“

ذرا محولہ بالا سطور کو ملاحظہ فرمائیں آخر کیا ان سطور سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک بھی آخری آیات ۵۷ کے پہلے نازل ہوئیں؟ ہرگز نہیں! لیکن آنکھوں میں دھول جھونکنا ہی تو آپ کی وہ خوبی ہے۔ جس پر آپ کے مستشرق اساتذہ نے آپ کو سند دی ہے۔

یہ ساری وادیلہ جو ڈاکٹر صاحب نے اپنے مہارت سے صفحات میں چار کھی ہے محض اس لئے ہے کہ احادیث کے خلاف طرح طرح کے شبہات پیدا کئے جائیں آثار اور اخبار کے راویوں پر اعتقاد کو متزلزل کر دیا جائے جیسا کہ آپ ہی کے بقول :-

”ہم نے حضرت عمر رضی کی طرف منسوب مشہور روایت کی تردید میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ ہم

سمجھتے ہیں اور اسی قسم کی دوسری روایتیں ربوہ القرآن کی حقیقت کو پہچاننے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں“ (ص ۵۱)

سلسلہ سوال پہلی اور آخری آیات کا ہرگز نہیں ہے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ ربوہ کی حرمت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کم از کم دس سال قبل غزوہ احد کے موقع پر سترہ ہجری میں نازل ہوا تھا یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے، جیسا کہ مودودی صاحب بالتفصیل لکھ رہے ہیں اور جیسا کہ علامہ ابن حجر کے اس قول سے ثابت ہو رہا ہے جسے تحریف و تصرف کے ساتھ عجمی صاحب خود نقل کر چکے ہیں، تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ”ربوہ کی آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائے گئے اور اس کی تفسیر بیان نہ کر سکے؟ سوال ربوہ کی حرمت کی تنزیل کی صحیح تاریخ اور حضرت عمر رضی کی طرف غلط منسوب کردہ اثر کے تضاد کا ہے، جسے محسوس کرتے ہوئے مودودی صاحب نے اپنا علمائے مفسرین ”حکمت قرآنی اور اصلاح تمدن“ اپنے رسالہ ”سود“ کی تازہ ترین اشاعت خارج کر دیا۔ لیکن عجمی صاحب مودودی صاحب کی حمایت میں خود ان سے (مودودی صاحب سے) سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔

حالانکہ پچھلے ساڑھے تیرہ سو سال میں تمام مفسرین محدثین اور فقہاء کی یہ رائے ہے کہ ربوا کے معاملہ میں اگر کوئی بات الجھن کی ہے تو وہ تبادلہ جنس بالجنس (ربا الفضل) ہے نہ کہ مبادلہ القرآن، یا ربوا النقد یعنی رقم قرض دے کر اس پر سود وصول کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کاش میں حضور کے وصال سے پہلے کلامہ دادا کی وراثت اور دبا کے بارے میں دریافت کر لیتا (کما روی فی البخاری) کتاب الاثر ہے، دراصل اسی ربوا الفضل کی طرف اشارہ ہے ورنہ محدثین اور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ ربوا کے معاملہ میں دوسرے بہت سے صحابہ کے مقابلہ وسیع تھی علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اس روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واما ابواب الربا فاعلہ یثبیر الی ربا الفضل
لان ربا النسیہ متفق علیہ بین الصحابہ
و سیاق عمر یدل علی انه کان عندہ نص
فی بعض من ابواب الربا دون بعض فلهذا
تمنی معرفۃ البقیہ

جہاں تک ابواب الربا کا معاملہ ہے تو شاید اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اشارہ ربا الفضل کی طرف ہے کیونکہ ربا النسیہ (ربا النقد) صحابہ کے درمیان متفق علیہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پچھلی بات پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس دوسروں کے مقابلہ میں ربا کے بعض ابواب کے لئے مخصوص احکام تھے۔ البتہ کیونکہ چند مسائل کے نہیں تھے اسلئے آپ کو یہ تمنا رہی کہ اس کو حاصل کر سکتے

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب ایک اور شاہکار پیش فرماتے ہیں :-

”ایسا نظر آتا ہے کہ کسی ابتدائی مرحلے پر یہ سمجھ گیا گیا تھا کہ ربا کے بارے میں قرآن کی تصریحات نامکمل ہیں جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے“

ان الفاظ میں گویا یہ جانا جا رہا ہے کہ ابتدائی مرحلے میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم قرآن کی علی افادیت سے یلوس ہو چکے تھے اور (نفوذ باللہ) اس کو ایک جامع ہدایت نامہ سمجھنے کے بجائے ناقص اور نامکمل مجموعہ سمجھنے لگے تھے چنانچہ انھوں نے قرآن کی (استغفر اللہ ثم استغفر) اس کی کو دور کرنے کے لئے ایسی حدیثوں کو ٹھڑنا شروع کر دیا جو پہلے سے

سچے یہاں پھر معاملہ طبعیت و فعل کا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اپنا ایک گمان پیش کر رہے ہیں (سعلہ) ”شاید ایسا ہو“ اور جیسا کہ ہم اوپر قرآن حکیم کا ارشاد نقل کر چکے ہیں۔ **إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا**۔ شارحین حدیث کی ظنی قیاس آرائیاں تاریخی حقائق کے مقابلے میں کیا معنی رکھتی ہیں؟ ان بزرگوں کا احترام واجب، لیکن اسی کا اقتضائے ہے کہ ان کے ظن و قیاس کو حقائق کے مقابلے میں رد کر دیا جائے۔

امام عجمی صاحب کے ترجمہ کی صحت قابلِ داد ہے۔

موجود نہیں تھیں اور ایسی ایسی روایات اختراع کر ڈالیں جن کے لئے کوئی عقلی دلیل نہیں تھی — فقرہ ”کسی ابتدائی مرحلے پر“ — ظاہر ہے صحابہ اور تابعین کی طرف اشارہ سمجھا جائے گا کیونکہ تمام کی تمام احادیث و روایات انہیں کے ذریعہ پہنچی ہیں اور فقرہ ”سمجھ لیا گیا تھا“ — یہ نشاندہی کرتا ہے کہ امر واقعہ ایسا نہیں تھا بلکہ محض ان حضرات کا زعم باطل تھا اور — ”جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے“ — کے معنی یہ ہوئے کہ قرآنی خلاف کو پُر کرنے کے لئے مواد کہاں سے لایا جائے، چلو حدیثیں ہی گھر گھر کر اس کو پُر کر دو۔ ظاہر ہے ان فقروں سے یا تو ڈاکٹر صاحب کا صرف یہی مفہوم ہے اور یا پھر ان کے اس عقیدے کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاملہ میں جو کچھ وقتاً فوقتاً فرمایا تھا وہ قرآن کی توضیح اور تفسیر کے لئے نہیں بلکہ خاتم بدین تفسیر طبع کے لئے تھا۔ درجہ قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی مطلق کوئی ضرورت نہیں تھی اور صحابہ کرام نے یہ سمجھ کر سخت غلطی کی کہ قرآن کی تصریحات نامکمل ہیں جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے“ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات سے مروی آثار بھی بقول ڈاکٹر صاحب موصوف ”اسی جذبہ کے ابتدائی مظہر ہیں“ سبحان الشرجب ابتدائی مظاہرہ اتنا حیران کن ہے تو انتہا پر پہنچتے پہنچتے کیا عالم ہوا ہو گا۔

”عالمیابی ہی وجہ ہے کہ ان آثار کی طرح ربا کے سلسلے کی فقہی حدیثوں میں بھی شدید معارفہ ہے“

(باقی آئندہ)

۱۷۔ جو شخص تفسیر و حدیث کے اقتباسات میں تحریف و تصرف سے منہ چوکنا ہو وہ اگر ڈاکٹر فضل الرحمن کی عبارت کو من مانے معنی پہنائے تو کیا تعجب ہے؟ اور یہاں تصرف معنی پہنائے گئے ہیں، پہلی قسط میں تو ایک طویل عبارت (INVERTD COMMAS) میں دیگر ڈاکٹر صاحب کی طرف منسوب کر دی گئی تھی اور پھر توبہ استغفار کیا گیا تھا کہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ ”گر ہمیں مکتب دہیں ملا کا ریمان“ تمام خواہ شدہ

(جی صاحب کے تتبع میں ہم نے مندرجہ بالا شعر میں جو تصرف کیا ہے، اس کے لئے ہم قارئین کرام سے معذرت چاہتے ہیں۔)

